اقبالیاتی ادب

علمی مجلّات کے مقالات کا تعارف

نبیلہ شیخ

۱۔مقالہ : دورِ حاضر میں فکرِ اقبال کی معنویت
مقالہ نگار : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
مجلّہ : ''جہانِ اردو''، دربھنگہ، اکتوبر۰۴ تا مارچ ۰۵
صفحات : ۹ تا ۱۱

ڈاکٹر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ اقبال کی وفات کے چھ عشرے بیت جانے کے بعد بھی ان کی شاعری بدستور تروتازہ اور بامعنی ہے۔ علامہ اقبال جیسی بصیرت اور ان جیسا وژن بیسویں صدی کے کسی اور شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا۔

دورِ حاضر میں قتل، غارت گری، ظلم، بربریت کا جو بازار گرم ہے، درحقیقت ایک بے خدا تہذیب کے بے لگام ہونے کا نتیجہ ہے۔ اقبال کے دور میں فتنہ وفساد کا بنیادی سبب اخلاقی قدروں کا بحران تھا جس کے پسِ پردہ ملحدانہ مادّہ پرستی، ہوسِ زر اور جوع الارض کارفرما تھی۔ عصرِ حاضر میں ان خرابیوں کے ساتھ خاندانی نظام کی تباہی نے بھی مغربی تہذیب کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ علامہ نے بھی اپنی شاعری میں امومت کی بقا پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ کلامِ اقبال کی صحیح تفہیم کے بعد اس پر صدقِ دلی سے عمل بھی کیا جائے، تب ہی ہم موجودہ سنگین بحران سے نکل سکتے ہیں۔

۲۔مقالہ : اقبال کا تصورِ تہذیب
مقالہ نگار : ڈاکٹر تحسین فراقی
مجلّہ : ''جہانِ اردو''، دربھنگہ، اکتوبر۰۴ تا مارچ ۰۵
صفحات : ۱۲ تا ۱۹

اقبال کے تصورِ مذہب کے موضوع پر اقبال کے تحریرکردہ ایک مضمون 'قومی زندگی' کے حوالے سے ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں کہ اقبال نے اپنے شعری اور نثری آثار میں نہ صرف اپنے تصوراتِ تہذیب و ثقافت نہایت خوبی سے بیان کیے ہیں بلکہ معاصر مادّی تہذیب کا موازنہ کر کے بعض مثبت پہلوؤں کے دوش بدوش اس کی ہلاکت خیزیوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلم تہذیب کی برکات وثمرات سے پوری نوعِ انسانی فیض یاب ہوئی ہے اور آئندہ بھی ہو سکتی ہے۔

اقبال نے مسلم تہذیب کی اصل 'احترامِ آدمیت' کو قرار دیا ہے۔ انھوں نے متعدد مقامات پر مسلم تہذیب کو ایک برگزیدہ، برتر اور تاریخ ساز تہذیب کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کے برعکس اقبال کی نظر میں تہذیبِ نو روشن چہرے والی ہے مگر چنگیز کا باطن رکھتی ہے جس کا مقصود آدم دری اور لادینیت ہے۔ یہ تہذیب آنے والی نسلوں کے لیے زہریلا ہلاہل اور ہماری عزتِ نفس پر ایک گروِ گراں ہے۔ اقبالی تعلیمات سے ہم آزادی، حریت، عزتِ نفس، ملی طرزِ احساس حاصل کر کے تہذیبِ باطن کے سچے اور صحیح معانی سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

۳۔مقالہ :　　علامہ اقبال کا تصورِ ملت

مقالہ نگار :　　ڈاکٹر محمد عطااللہ خان

مجلّہ :　　''ہم قدم''، جنوری ۲۰۰۵ء

ڈاکٹر محمد عطااللہ صاحب مسلمانوں کو درپیش مسائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معاشرے میں انحطاط کا سبب جغرافیائی اور لسانی بنیادوں پر ہے۔ بیسویں صدی میں بھی دورِ جاہلیت کی طرح قومیت کا تصور یعنی قومیں اوطان سے بنتی ہیں، موجود ہے۔ علامہ نے اس نظریے کی شدید مذمت کی ہے۔ علامہ کی نظر میں قوم جغرافیے کے بجائے نظریۂ حیات سے بنتی ہے۔ جدید قومیت کے نظریے سے دنیا امن و سلامتی کے بجائے فساد اور خون ریزی کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ صدی میں طاقت ور ممالک کمزور ممالک کا استحصال کر رہے ہیں۔ جیسا کہ عراق، افغانستان اور فلسطین کی صورتِ حال ہمارے سامنے ہے۔

اس مقالے میں مقالہ نگار نے تصورِ ملت کے حوالے سے علامہ کے اردو اور فارسی اشعار سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۴۔روداد :　　شامِ اقبال/فکرِ اقبال کی یادگار محفل

روداد نویس:　　طارق مخدومی

مجلّہ :　　''آفاق'' جنوری ۲۰۰۵ء

صفحات :　　۳۲ تا ۳۶

ٹورانٹو میں اقبال اکادمی کینیڈا کے زیرِ اہتمام ''شامِ اقبال'' کے نام سے ایک خوب صورت اور

باوقار تقریب منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے شرکا میں جناب ڈاکٹر تقی عابدی، پروفیسر مستنصر میر، سیّد سجاد حیدر، ڈاکٹر منہاج قدوائی اور مہمانِ خصوصی جناب محمد سہیل عمر صاحب، ناظم اقبال اکادمی پاکستان اور حاضرین کی کثیر تعداد بھی شریک تھی۔

جناب تقی عابدی نے اقبال کے فلسفۂ تقدیر کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا۔ انھوں نے علامہ کے فارسی اور اردو اشعار کے حوالوں سے فلسفۂ تقدیر کے جملہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ جناب مستنصر میر نے اقبال کی شاعری میں انسان، خودی اور دین کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اقبال کے کلام میں انسانوں کے لیے وہ رہنما اصول بیان کیے گئے ہیں جن پر عامل ہو کر انسان اپنی خودی کو بیدار کر سکتا ہے۔ اس طرح قوم کی اجتماعی خودی کے لیے بھی قرآن و سنت میں ایسے رہنما اصول موجود ہیں جن کو اپنا کر نہ صرف ذاتی سطح پر بلکہ قومی سطح پر بھی وہ مقام حاصل کیا جا سکتا ہے جو ان رہنما اصولوں پر عمل نہ کرنے سے ان سے چھن چکا ہے۔

میر صاحب کے خطاب کے بعد ڈاکٹر منہاج صاحب نے جناب سہیل عمر کو خطاب کی دعوت دی۔ سہیل عمر صاحب اقبال اکادمی پاکستان کی سربراہی کے علاوہ معروف علمی اور فکری پس منظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں عصرِ حاضر میں اقبال کی اہمیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ دورِ جدید میں انسان جس بحران کا شکار ہے، اس بحران کو سمجھنے اور اس سے نکلنے کے لیے اقبال کے کلام اور پیغام کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اقبال کی شاعری درحقیقت اللہ، بندے اور دین کے بارے میں اسلامی فکر کی نمائندہ شاعری ہے۔ اقبال نہ صرف مصورِ پاکستان ہیں بلکہ انھوں نے عہدِ نو کے لیے ایسے رہنما اصول وضع کیے جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمان موجودہ درپیش عالمگیر امتحان سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ تقریر کے اختتام پر حاضرین کو سوالات کی دعوت دی گئی۔

اس تقریب میں خصوصی طور پر اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے حیاتِ اقبال پر مبنی ایک گشتی نمائش اور علامہ اقبال پر لکھی جانی والی کتب کی فروخت کا اہتمام کیا گیا۔ علامہ کے مداحوں نے اس گشتی نمائش اور کتابوں میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ پروگرام کا اختتام پُرلطف عشایئے سے ہوا۔

۵۔مقالہ : اقبال اور تربیتِ اطفال

مقالہ نگار : ڈاکٹر محمد آصف اعوان

مجلّہ : ماہنامہ ''افکارِ معلم''، لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء

صفحات : ۴۹ تا ۵۹

ڈاکٹر محمد آصف اعوان صاحب لکھتے ہیں کہ اقبال اپنے فکر و نظر کے سفر میں سب سے پہلے بچوں کی تہذیبی ساخت و پرداخت کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ بچوں کی صحیح تربیت اور مثبت تعلیمی نظام کے لیے بہت فکرمند نظر آتے ہیں۔ بانگِ درا میں بچوں کے لیے ایسی نظمیں ہیں جن میں اخلاقی

پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقبال گہری فکر و بصیرت کے حامل انسان تھے۔ ان کی نظر میں کسی بھی ملک و قوم کی سب سے قیمتی متاع اس کی نئی نسل ہوا کرتی ہے۔ اس لیے نئی نسل کی تعلیم و تربیت ایسے خطوط پر مبنی ہونی چاہیے جو قومی تقاضوں اور ضرورتوں کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ اقدار آشنا ہوں۔ اقبال بچوں کی ایسی تعلیم و تربیت کے قائل ہیں جو ان کے لیے مستقبل میں ایک کامل انسان بننے میں معاون ثابت ہو۔ ہر زندہ اور باشعور قوم اپنی اقدار و روایات کو زندہ رکھنا چاہتی ہے جس کا بہترین ذریعہ اقدار و روایات کے اس سرمائے کو نظامِ تعلیم کے ذریعے نئی نسل تک منتقل کیا جائے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ خطوط پر استوار کی جائے، انھیں دنیا کے عظیم شخصیتوں کے حالات زندگی اور کارناموں سے متعارف کرایا جائے تاکہ وہ ان سے متاثر ہو کر خود اپنے اندر ان جیسی صفات اور کمالات پیدا کرنے کی آرزو کریں۔ اقبال اس بات سے بخوبی آگاہ تھے، کہ بچوں کی تربیت اور ذہنی نشوونما میں معلم کے فرائض بہت اہم ہیں اور معلم ہی نئی نسل کو سنوارنے اور ملک کی خدمت کے قابل بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔

اقبال نے اپنی نظموں میں نہایت سادگی اور سلاست سے اخلاقی درس دیا ہے۔ اقبال نے ایک مصلح کی حیثیت سے اپنی شاعری میں اصلاح کا پہلو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا، بلکہ تعلیم و تربیتِ اطفال کے زریں اصول بھی، اپنی خوب صورت اور شگفتہ نظموں میں بیان کیے ہیں۔

۶۔مقالہ : ''اسلامی تصوف اور اقبال''- ایک تجزیاتی مطالعہ
تجزیہ نگار : شاہد اقبال کامران
مجلّہ : سہ ماہی ''الاقربا''، جنوری ۲۰۰۵ء
صفحات : ۲۸ تا ۵۰

'اسلامی تصوف اور اقبال' کے عنوان سے لکھے جانے والے تحقیقی مقالے پر ۱۹۵۶ء میں کراچی یونی ورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر نورالدین کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی تھی۔ بعد میں ۱۹۵۹ء میں اس مقالے کو کتابی صورت میں اقبال اکادمی پاکستان نے پہلی بار شائع کیا۔ ۱۹۷۷ء میں اس کی دوسری اشاعت ہوئی۔ زیرِ نظر تجزیہ دوسرے ایڈیشن کا ہے۔

تجزیہ نگار شاہد اقبال کامران صاحب نے اپنے تجزیے میں بالترتیب تحقیق کی غرض و غایت، مقالے کا تعارف، ابواب کی تقسیم، مباحث، مآخذ، حواشی، حوالے اور اقتباسات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ انھوں نے نہ صرف مفصل انداز میں محقق کی فروگزاشتوں کی نشان دہی کی ہے بلکہ مدلل انداز میں اصل مآخذ کی روشنی میں اس کی تصحیح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جہاں کہیں تحقیق پر گرفت کمزور نظر آئی، انھوں نے اپنی بے لاگ رائے سے اس کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔

یہ تنقیدی جائزہ قابلِ تحسین کاوش ہے جس نے آنے والے محققین کے لیے اغلاط سے پاک

تحقیق کے باب میں آسانیوں کی راہ دکھائی ہے۔

۷۔مقالہ : اقبال کا نظریۂ فن

مقالہ نگار : سیّدہ نغمہ زیدی

مجلّہ : سہ ماہی ''الاقربا''، جنوری ۲۰۰۵ء

صفحات : ۸۶ تا ۹۲

سیّدہ نغمہ زیدی مقالے کی تمہید میں ارسطو اور افلاطون کے نظریۂ فن کا جائزہ پیش کرتی ہیں۔ اس کے بعد علامہ کے فن کے بارے میں لکھتی ہیں کہ اقبال نے فن برائے زندگی کا نظریہ پیش کیا۔ اقبال ایک مسلمان مفکر ہیں، اس لیے وہ ہر اس فن کو ناپسند کرتے ہیں جو اسلام کے منافی ہو اور جو خودی کو ضعف پہنچائے۔ خودی ہی دراصل مرکزِ حیات ہے۔ خودی کی عدم موجودگی میں فن میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ اقبال کے نزدیک فن کا بلند ترین مقصود یہ ہے کہ وہ قلب کو گرما دے۔ فن کے لیے لازم ہے کہ وہ ذہنِ انسانی میں ابدی زندگی کے حصول کی لگن پیدا کر دے۔ اقبال کے نزدیک نغمہ کار کا اصل فن بامقصد تخلیق ہے۔ وہ اس فن کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو انسان کی سوئی ہوئی قوتِ عمل کو بیدار کرے اور مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا حوصلہ عطا کرے۔ اقبال فن برائے فن کے قائل نہیں ہیں بلکہ انھوں نے اسے اپنے مخصوص ''مقصدِ حیات'' کے حصول کا ذریعہ بنایا۔

تمام فنونِ لطیفہ میں اقبال نے اپنے لیے شاعری منتخب کی۔ اقبال شاعری کو حیاتِ ابدی کا پیغام سمجھتے ہیں اور شاعر کو دیدۂ بینائے قوم قرار دیتے ہیں۔ شاعر ہی اپنی پیغمبرانہ قوتوں سے ملتِ خوابیدہ کو بیدار کر سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر شاعر کا کلام حسرت و یاس پر مبنی ہے تو بہتر ہے کہ وہ خاموش رہے، کیوں کہ اقبال شاعری کو اخلاق کے ماتحت قرار دیتے ہیں۔ اقبال مصوری، موسیقی اور دیگر فنون میں جوشِ عمل، سرمستی اور جلال و جمال کے رنگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تمثیل یا تھیٹر کو بھی تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ان کی نظر میں یہ سوزِ خودی اور سازِ حیات دونوں کے لیے مہلک ہے۔

سیّدہ نغمہ زیدی صاحبہ نے اقبال کا نظریۂ فن اجاگر کرنے میں اقبال کے اردو اور فارسی اشعار بطور نمونہ استعمال کیے ہیں۔

۸۔مقالہ : اقبال کا تصورِ خدا اور ملاصدرا

تعارف کنندہ : ادارہ

مجلّہ : ''اخبارِ تحقیق''

صفحات : ۳

تہران میں کچھ عرصہ قبل 'بنیادِ حکمتِ اسلامی ملاصدرا' کے زیرِ اہتمام سالانہ بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس میں چالیس اسکالرز مختلف ممالک سے شریک ہوئے تھے۔ ان کے پیش کردہ

مقالات کو مجموعۂ مقالات ہمایش جہانی ملاصدرا کے زیرِ عنوان کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ریسرچ اسکالر ڈاکٹر سیّد ناصر زیدی کا مقالہ بعنوان ''خدا شناسی از دیدگاہ اقبال و تطبیق آن بابرنی از آرا ملا صدرا'' بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ انھوں نے اپنے مقالے میں اقبال کے تصورِ خدا کا عالمِ اسلام کے نامور فلسفی ملا صدرا کی آرا سے موازنہ کیا ہے۔

۹۔مقالہ : اقبال اور حلاج
مقالہ نگار : ڈاکٹر محمد علی صدیقی
مجلّہ : ''قومی زبان''، جنوری ۲۰۰۵ء
صفحات : ۱۳ تا ۱۸

مقالہ نگار جناب ڈاکٹر محمد علی صدیقی لکھتے ہیں کہ بعض علمائے کرام نے حلاج کو زندیق، شعبدہ باز اور ملحد قرار دیا جب کہ بعض جن میں ابوعبداللہ خفیف، حضرت عثمان ہجویری، شیخ ابوقاسم گرگانی اور شیخ ابوالعباس شقانی شامل ہیں، حلاج کو صاحبِ اسرار اور کامل بزرگ قرار دیتے ہیں۔ مولانا ابوسلیمان ندوی نے طبری کی سند پر حلاج کے بارے میں بہت اچھی رائے نہیں دی۔ طبری نے اسے شعبدہ باز کہا ہے۔

علامہ اقبال اپنی تصنیف فارس میں مابعد الطبیعیات کے ارتقا (۱۹۰۵ء) میں حلاج سے برہم نظر آتے ہیں، جب کہ جاوید نامہ (۱۹۳۲ء) میں یکسر مختلف مؤقف اختیار کر لیتے ہیں۔ اقبال کی فکر و نظر میں یہ تبدیلی مولانا اشرف علی تھانوی کی تصنیف کسی نامہ (تاہنوز غیر مطبوعہ) اور آرائے نکلسن کی تصنیف "Idea of Personality in Islamic Mysticism" کی وجہ سے ہے جس میں حلاج کی بھرپور وکالت کی گئی ہے۔ یہ محولہ بالا کتب اقبال کے تحقیقی مقالے کے بعد شائع ہوئیں۔ حلاج کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، وہ بہت متنازعہ مسئلے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ مقالہ نگار نے تمام علما کے اقوال اور کتب کے حوالے نقل کیے ہیں جن سے حلاج کے نظریات سمجھنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

اقبال جاوید نامہ میں فلکِ قمر کی سیر کے دوران حلاج کے گرویدہ دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کی فکری مثلث میں حسین بن منصور کے تصورِ وجدان کو سب سے اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور کیوں نہ ہو منصور حلاج نے واقعتاً اسلامی تاریخ میں عقل اور وجدان کے مابین منفرد تخلیقی رشتہ قائم کیا ہے۔

۱۰۔مقالہ : عشق فکرِ اقبال کے آئینے میں
مقالہ نگار : فضل حسین قلیل
مجلّہ : ''امید''، فروری ۲۰۰۵ء
صفحات : ۲۱ تا ۲۲

مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے عشق کی روایتی، کہن، لاحاصل اور فرسودہ ہیئت کو ایک نئے رخ اور نئے زاویے میں بدل کر ملک و ملت کے بلند مقاصد اور اعلیٰ و ارفع نصب العین کے لیے فولادی سیرت کے ڈھانچے میں ڈھال دیا۔

علامہ کے خیال میں قوم کی بقا، فروغ و ارتقا اور ترقی و ترویج، اس کے نونہالوں اور نوجوانوں کی عقل و دانش، ہمت و استقامت اور عزم و سطوت کی پختگی اور بلند حوصلگی سے وابستہ ہوتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اپنی سیرت اور کردار کو عشق کی کٹھالی میں ڈال کر اس میں فولاد کی سی سختی اور کندن کی آب و تاب پیدا کر تاکہ تیرا پیکرِ خاکی تمام خام آلائشوں اور کثافتوں سے پاک ہو کر ناقابلِ تسخیر چٹان بن جائے۔

۱۱۔مقالہ : فکرِ اقبال اور بھوپال
مقالہ نگار : پروفیسر آفاق احمد
مجلّہ : ''آفاق''، فروری ۲۰۰۵ء
صفحات : ۳۲ تا ۳۴

مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ سیالکوٹ اور لاہور کو چھوڑ کر اقبال نے غیر منقسم ہندوستان کے کسی شہر میں سب سے زیادہ قیام کیا ہے تو وہ بھوپال ہے۔ بھوپال کو اقبال کی آمد سے پہلے ہی ''دارِ الاقبال'' کہا جاتا تھا لیکن جب پہلی بار اقبال ۹ رمئی ۱۹۳۱ء کو یہاں تشریف لائے اور بھوپال کو ان کے قدم لینے کی سعادت حاصل ہوئی تو یہ ''دارالاقبال'' اقبال مند بھی ہو گیا۔ بھوپال میں اقبال نے ''ریاض منزل'' اور ''شیش محل'' میں زیادہ قیام کیا۔ ضربِ کلیم کا انتساب بھی نواب بھوپال حمیداللہ خان کے نام ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں بھوپال کی فضا میں کہی جانے والی منظومات کا نفسِ مضمون واضح کیا گیا ہے۔ یہ مختصر مضمون اقبال کے قیامِ بھوپال کے حوالے سے ایک دلچسپ تحریر ہے۔

۱۲۔مقالہ : اقبال اور قادیانیت (ماخوذ ''حرفِ اقبال'')
مرتبہ : مولانا یوسف لدھیانوی
مجلّہ : ''سوئے حرم''
صفحات : ۶۹ تا ۷۰

ختمِ نبوت کے عقیدے کے مطابق رسولِ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کسی وحی اور الہام کا امکان نہیں جب کہ قادیانیوں کا اعتقاد ہے کہ تحریکِ احمدیت کا بانی ایسے الہام کا حامل تھا۔

قادیانی اخبار سن رائز نے ایک دفعہ اپنی اشاعت میں اقبال پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ پہلے تو علامہ اس تحریک کو اچھا سمجھتے تھے، اب خود ہی اس کے خلاف بیان دینے لگے تو اس کے

جواب میں علامہ مرحوم نے اپنا مؤقف یوں بیان کیا:

ذاتی طور پر اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا جب ایک نئی نبوت نے بانیِ اسلام کی نبوت سے اعلیٰ ترین نبوت کا دعویٰ کیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا۔ جب میں نے تحریک کے رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت ﷺ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ اگر موجودہ رویے میں کوئی تناقض ہے تو بھی یہ ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔

۱۳۔مقالہ: اقبال پر ایک اور نظر
مقالہ نگار : سرور جاوید
مجلّہ : ماہنامہ ''اظہار'' کراچی، جنوری ۲۰۰۵ء
صفحات : ۳۸ تا ۴۱

مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ اقبال کو شاعرِ اسلامی کہنا بے جا نہ ہو گا۔ اقبال کا کلام نسل در نسل اقوالِ زرّیں کی طرح سفر کرتا نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایک طرف مسلم نشاۃِ ثانیہ کے فکری اور سماجی زوال کے فوری اسباب پیشِ نظر تھے تو دوسری جانب کارل مارکس اور اینگلز کا فلسفۂ اشتراکیت اپنے عروج کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اقبال نے ان تمام رجحانات کو فکر و تفکر کی سطح پر جمالیاتی اظہار کے ساتھ اپنی شاعری کا جزو بنایا۔ اقبال کو بطور شاعر سمجھنا اور پڑھنا ہی ان کی اصل شخصیت کا ادراک فراہم کر سکتا ہے۔ شاعرِ مملکت تو انھیں معاشرے نے بنایا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال آفاقی شاعر ہیں جن کی فکر سے ہر عہد اور ہر نسل فیض حاصل کرتی رہے گی۔

۱۴۔مقالہ: علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کا فکر و فلسفہ
مقالہ نگار : پروفیسر محمد سرور
مجلّہ : ''الشریعۃ''، فروری ۲۰۰۵ء
صفحات : ۱۱ تا ۱۶

پروفیسر محمد سرور مرحوم کی تصنیف افادات و ملفوظات حضرت مولانا عبیداللہ سندھی سے یہ اقتباس رسالہ الشعریعہ میں شامل کیا گیا ہے جو اقبال کے افکار و خیالات پر مولانا سندھی کی ناقدانہ رائے پر مشتمل ہے۔ مولانا سندھی شیخ القرآن شیخ الحدیث تھے۔ ان کے مزاج اور افکار میں انقلاب کا جذبہ موجزن تھا۔ وہ اسلام کے انقلابی تصور کو عام کرنا چاہتے تھے۔ انگریز کے دشمن تھے اسی سبب انگریزوں کے عہد میں جلاوطنی کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔

۱۵۔مقالہ: اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا
مقالہ نگار: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار
مجلّہ: ''اقبال''۔ جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء
صفحات: ۱۱ تا ۳۶

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب لکھتے ہیں،''علامہ اقبال کی سرگزشتِ حیات کے مآخذ ان کی زندگی میں ماسوا ان کی شاعری اور خطبات اور چند علمی مضامین و تالیفات کے بہت کم منظرِ عام پر آئے ہیں۔ اقبال نے اپنی ایک ذہنی سرگزشت لکھنے کا ذکر کیا، جس کا تذکرہ ان کے مکاتیب بنام سیّد سلمان ندوی، بنام وحید احمد مدیر نقیب (بدیواں) میں ملتا ہے۔ اقبال رسمی طور پر سرگزشت تو نہ لکھ سکے مگر اس سرگزشت کا حاصل کلام اقبال کے کلام و پیام میں پھیلا ہوا ہے۔''

اقبال نے اپنی ذہنی وفکری ارتقا کی صورت گری کی راہ اپنے کلام میں خود واضح کردی تھی اور اپنے تمام مجموعہ ہائے کلام کو زمانی ترتیب میں رکھ کر، ذہنی ارتقا کے عمل کی وضاحت بھی کی، مثلاً بانگِ درا اردو کے شعری مجموعے کے تین ادوار خود انھوں نے قائم کیے۔ اسی طرح اسرار ورموز کے بعد فارسی میں پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، مثنوی مسافر، پس چہ باید کرد، ارمغان حجاز اور پھر اردو مجموعے بالِ جبریل اور ضرب کلیم اس ترتیب سے سامنے آئے جو اقبالؒ کے ذہنی وفکری ارتقا کے تسلسل کی نشان دہی کرتے ہیں۔ مقالہ نگار لکھتے ہیں: ''اقبال کے ذہنی وفکری ارتقا کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے شروع میں وہ ایک شاعر کے ساتھ ساتھ سیاسی مفکر، مدبر اور پیام بر کے طور پر بھی ایک مقصد اور پیام لے کر گامزن سفر ہوئے۔ ان کا یہ اصلاحی کلام بھی آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔''

۱۶۔مقالہ : اقبال اور حدیث
مقالہ نگار : ڈاکٹر حافظ منیر احمد خان
مجلّہ : اقبال۔ جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء
صفحات : ۳۷۔۶۳

زیرِ نظر مقالے میں مشہور مثنوی جاوید نامہ میں علامہ اقبال نے جن اشعار میں قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی کو بطور تلمیح استعمال کیا ہے، ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآنی آیات سے متعلقہ احادیثِ نبوی اور روایات کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح کلام اقبال کا مفہوم احادیثِ نبوی کی روشنی میں عام پڑھنے والوں کے لیے خصوصاً مسلمانوں کے لیے واضح ہوجاتا ہے۔ مقالہ نگار نے مثال کے طور پر نمونے کے اشعار مع ترجمہ اور ان کی تشریح احادیثِ نبوی کی روسنی میں سلجھے ہوئے انداز میں پیش کی ہے۔

۱۷۔تعارف: اقبال اور میر صاحب
تعارف کنندہ: ادارہ
مجلّہ : ماہنامہ ''سوئے حرم''۔ اپریل ۲۰۰۵ء
صفحات : ۱۰۳ تا ۱۰۴

ایس اے حمید المعروف بہ ''میر صاحب'' پاکستان کے معروف کارٹونسٹ ہیں۔ ان کے کارٹون روزنامہ ''کوہستان'' لاہور اور روزنامہ ''مشرق'' لاہور، پشاور، کراچی اور کوئٹہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

حمید صاحب ۷ جنوری ۱۹۲۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ نسبی لحاظ سے ان کا تعلق علامہ اقبال کی ہمشیرہ کے خاندان سے ہے۔ میر صاحب بسلسلہ روزگار بیروت، دمشق، شام، قاہرہ، ایران، عراق، اردن اور فلسطین میں مقیم رہے۔

میر صاحب کو علامہ سے اپنے رشتے کی وجہ سے زیادہ، اُن کے والہانہ کلام کی وجہ سے گہری عقیدت ہے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۹۵ء میں علامہ اقبال کا ''مصور زندگی نامہ'' پیش کرنے کا عزم کیا۔ میر صاحب اب تک تقریباً سو سے زیادہ تصویریں بنا چکے ہیں، جن میں علامہ صاحب کی زندگی، بچپن، جوانی، بڑھاپا، دُکھ سکھ، عبادت، پڑھائی، وکالت، شاعری، مشاعرے، ملکی اور غیر ملکی سفر، سیاست، سوشل ورک، مشہور ہستیوں سے ملاقاتیں، پارٹیاں، کھیل کود، شادیاں، جدائیاں، غرض کہ علامہ کی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا، جسے مصور نہ کیا گیا ہو۔

۱۸۔مقالہ : اسلامی ادب کی ترویج میں اقبال کا کردار
مقالہ نگار : ڈاکٹر تحسین فراقی
مجلّہ : اقبال اپریل تا جون ۲۰۰۵ء
صفحات : ۲۷ تا ۴۲

زیرِ نظر مقالے میں ڈاکٹر تحسین فراقی نے پہلے تو اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ کیا ادب کی آزاد حیثیت کسی یہودی، عیسوی یا اسلامی سابقے کی متحمل ہوسکتی ہے اور کیا ایسا کرنا ادب کی لامحدود وسعتوں کو زنجیر کرنے کے مترادف نہ ہوگا؟ اُن کا خیال ہے کہ مذہبی عقائد کی حامل شاعری قاری کی لیے زنجیرِ پا نہیں ہوتی، بشرطیکہ یہ عقائد شاعری کے تاروپود میں اس طرح حل ہوجائیں کہ ''بوبگلاب اندر'' کی صورت پیدا ہوجائے۔ اقبال اپنے اوّلین اردو شعری مجموعے اور اپنے اوّلین فارسی شعری مجموعے سے لے کر اپنی آخری شعری دستاویز ارمغانِ حجاز تک ایک ہی تصّورِ شعر کو نئے سے نئے اور تازہ بہ تازہ شعری پیکر و پیرہن میں تسلسل سے بیان کرتے رہے۔ اسلامی ادب کی ترویج کے ضمن میں اسرار خودی، زبورِ عجم اور ضرب کلیم خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان تینوں تخلیقات کی تشریح کے بعد ڈاکٹر تحسین فراقی نے یہ نتیجہ نکالا ہے: ''دل کی تہوں سے نکلا اور خونِ جگر سے پلا اقبال کا کلام، ادبِ اسلامی کا ایک لازوال نمونہ ہے......''

اقبال نے اپنی شہرۂ آفاق نظم ''ذوق وشوق'' میں اپنے بارے میں دوٹوک انداز میں کہا تھا:

میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

۱۹۔تبصرہ : محمد علی صدیقی کی ''تلاشِ اقبال'' کا ایک جائزہ
مبصر : عبدالحمید کمالی
مجلّہ : ''اقبال''۔ اپریل تا جون ۲۰۰۵ء
صفحات : ۴۳ تا ۴۸

فاضل تبصرہ نگار نے پہلے تو محمد علی صدیقی کے ادبی مبصر، نقاد اور پاکستانیت کے ماہر ہونے کی حیثیت سے تعارف کراتے ہوئے تعریف و تحسین کی ہے، اُن کی سابقہ تنقیدی تصانیف توازن (۱۹۷۶ء)، نشانات (۱۹۸۱ء) اور تازہ تالیف تلاش اقبال میں جو مقامات انھیں قابلِ تنقید اور قابلِ گرفت لگے، اُن کو بیان کیا ہے، پھر اُنھیں اِس تالیف میں جو تازہ نکات نظر آئے، اُن کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: چھٹا اور ساتواں باب پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، ''اقبال اور حلاّج''، ''علامہ اقبال اور قرۃ العین طاہرہ''، البتہ ''اقبال: جہانِ دیگر''، ''اقبال اور فیض'' پندرھواں اور سولھواں باب بس تشنہ سے ہیں۔ مندرجہ عنوانات بہت بلند پایہ ہیں۔''علامہ اقبال کا فلسفۂ خودی اور وحدت الوجود'' ''مجدّد الف ثانی''، اقبال اور تصوف''، یہ تینوں مضامین (باب ۲ سے باب۴ تک) بہت محققانہ ہیں، بلکہ ان کے بارے میں یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ خاص اس موضوع پر مزید معروضی تحقیق اور خلاّقانہ جستجو کے لیے نہایت ہی مستند خاکے کا کام انجام دے سکتے ہیں۔ انھوں نے بہت ہی کاوش سے حال تک تمام حوالہ جات جمع کیے ہیں جن سے ان مضامین و مقالات کی اہمیت اور افادیت بہت ہی بڑھ گئی ہے۔''

۲۰۔مقالہ : اقبال اور اکتسابِ سخن بحوالہ مرزا داغ دہلوی
مقالہ نگار : عبدالکریم قاسم
مجلّہ : ''اورینٹل کالج میگزین'' ۲۰۰۵ء
صفحات : ۱۵۵ تا ۱۶۸

شیخ عبدالقادر، محمد عبداللہ قریشی، سیّد عابد علی عابد، لالہ سری رام وغیرہ کی تحقیق کے مطابق اقبال اپنے ابتدائی دور میں اپنے استاد میر حسن، مرزا ارشد گورگانی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، ناظم لکھنوی اور مرزا داغ دہلوی سے اپنی غزلوں اور نظموں میں اصلاح لیتے رہے ہیں۔ اس مقالے میں مرزا داغ دہلوی سے اکتسابِ سخن کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا گیاہے۔ مقالہ نگار نے اقبال کی ابتدائی دو غزلوں ''جان دے کر تمھیں جینے کی دُعا دیتے ہیں'' اور ''کیا مزہ بلبل کو شیوۂ بیداد کا'' کا حوالہ دے کر لکھا ہے: ''یہ ابتدائی غزلیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اقبال نے غزلیں چھپوانے سے ایک دو سال پہلے داغ سے بذریعہ خط اصلاح لی ہوگی، کیوں کہ اقبال ایسے شخص سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ بغیر اصلاح کے انھوں نے اپنے آپ کو ''تلمیذ بلبلِ ہند حضرت داغ دہلوی'' لکھ دیا ہو۔''

۲۱۔مقالہ : اقبال کا کچھ غیر متداول کلام

مقالہ نگار : اکبر حیدری کاشمیری

مجلّہ : سہ ماہی ''فکر و تحقیق'' جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء
قومی کونسل برائے فروغِ اردو، نئی دہلی

صفحات : ۲۱ تا ۴۰

پروفیسر اکبر حیدری اقبال کے عاشق، کلامِ اقبال کے پرستار اور اقبالیات کے نکتہ شناس ماہر ہیں۔نوادرات و باقیاتِ اقبال کی جستجو میں منہمک رہتے ہیں۔انھوں نے اپنے اِس تحقیقی مقالے میں بھی اقبال کے کچھ غیر متداول کلام کی نشان دہی کی ہے، مثلاً اقبال کی ایک طویل نظم ''شمعِ ہستی'' جو وحید الدین سلیم پانی پتی نے ماہانہ جریدے معارف علی گڑھ میں شائع کی تھی، وہ چند غزلیں جو اودھ پنچ لکھنو، دستورِ آصفی اور مخزن میں شائع ہوئیں، لیکن باقیاتِ اقبال کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ یا مثلاً نظم ''کچلول'' جو مخزن کے شمارے بابت جون ۱۹۰۲ء میں چھپی تھی، لیکن بانگِ درا میں شامل نہیں کی گئی، البتہ باقیاتِ اقبال میں کسی حوالے کے بغیر شامل کی گئی ہے۔

اِن چند باقیات کے علاوہ ایک قابلِ ذکر بات وحید الدین سلیم اور ڈاکٹر تارا چرن رستوگی کے سوانحی خاکے ہیں۔ اسی طرح اودھ پنچ کے بارے میں نئی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مقالہ نگار لکھتے ہیں: ''اودھ پنچ کی اوّلین اشاعت کے بارے میں اکثر لوگ ناواقف ہیں۔محمد عبداللہ قریشی، بشیر احمد ڈار اور ان کی تقلید میں جگن ناتھ آزاد نے بھی سالِ اجرا ۱۹۱۶ء قرار دیا ہے۔ جب کہ پہلا پرچہ ۱۶ جنوری ۱۸۷۷ء کو منشی سجاد حسین کاکوروی کی ادارت میں شائع کیا گیا تھا...... اودھ پنچ ہمیشہ کلامِ اقبال کو تنقید کا ہدف بنانے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اخبار نے بانگِ درا اور بالِ جبریل کو بھی نشانہ بنایا تھا۔''